سوال: غالب کی شاعری کے فکری اور صوفیانہ عناصر پر بحث کیجئے۔(2015ء)

جواب: غالب کی شاعری میں صوفیانہ عناصر

غالب گو ایک دنیا دار متمول گھرانے میں پیدا ہوئے لیکن تمدن کے اثر سے متصوفانہ عقائد کا پرتو ان کے نظریات اور خیالات پر بھی گہرا ہے تاہم میر یا غالب میں سے کسی نے بھی تصوف کو اپنا نصب العین نہیں بنایا۔ میر اور غالب نے گو تصوف کے بعض اثرات قبول کیے لیکن تصوف ان کی زندگی کا معمول نہیں تھا۔ خواجہ میر درد یا سراج کی طرح غالب باضابطہ صوفی شعرا نہیں ہیں تاہم وہ تصوف سے بیگانہ محض بھی نہیں ہیں۔ [2]

جہاں تک غالب کی شاعری میں صوفیانہ عناصر کا تعلق ہے کلام غالب کا ایک متعدد بہ حصہ صوفیانہ شاعری پر مشتمل ہے بلکہ بقول جگن ناتھ آزاد "کلام غالب کا ایک خاصا حصہ ایسا ہے کہ جسے صوفیانہ شاعری کہا جاسکتا ہے جبکہ عملی طور پر مرزا غالب تصوف کے گلی کوچے سے نا آشنا تھے۔ مرزا کی صوفیانہ شاعری محض ان کی فکر اور ذہانت ہی کا ایک کرشمہ ہے۔ اس لئے ان کے صوفیانہ کلام میں خواجہ میر درد، یا بیدل کی سی بات ڈھونڈنا عبث ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ کلام غالب کسی صوفی شاعر کا کلام نہیں بلکہ اس کے کلام کا لب ولہجہ صوفیانہ ہے۔

لیکن مرزا غالب اس بحث سے کوئی تعلق نہیں رکھتے وہ تو اپنے صوفی ہونے کا اعلان کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

---

1. "اردو کے نمائندہ کلاسیکی غزل گو" ص 259
2. اردو غزل اور ہندستانی ذہن وتہذیب، گوپی چند نارنگ، ص 149، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا [3]

کہتے ہیں کہ جب یہ غزل غالب نے بہادر شاہ کے حضور پڑھی تو بہادر شاہ نے کہا کہ یہ تو حضور ہم پھر بھی سمجھتے ہیں۔ بعض آپ کو ولی ہی گردانتے ہیں۔

مرزا غالب اپنے ایک خط میں میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں کہ:

"صبر و تسلیم و توکل و رضا شیوہ صوفیوں کا ہے۔ مجھ سے زیادہ اس کو کون سمجھے گا۔ سرفراز حسین کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "میں صوفی ہوں اور ہمہ اوست کا دم بھرتا ہوں۔" [4]

ڈاکٹر شوکت سبزواری اپنی تصنیف "فلسفہ کلام غالب" میں رقم طراز ہیں کہ:

"غالب کے ذہن ارتقا میں بیدل کے متصوفانہ کلام کو بڑی قدر و قیمت حاصل ہے۔" [5]

ڈاکٹر عبادت بریلوی "غزل اور مطالعہ غزل" میں لکھتے ہیں کہ:

"غالب کو اپنے مسائل تصوف پر بڑا ناز تھا وہ تو یہ کہیے کہ ان کے بادہ خواری آڑے آ گئی ورنہ انہیں اپنے ولی ہونے کا یقین ہو جاتا...... لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ غالب نے تصوف کے مسائل کو بیان کرنے کی کوشش کی مگر ان میں یہ صلاحیت نہیں تھی کیونکہ ان کا مزاج تصوف سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ وہ سب کچھ ہو سکتے تھے لیکن ایک صوفی ہونا یا ایک سچے صوفی کی طرح تصوف سے نسبت پیدا کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔" [6]

حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کا اثر تو اپنے زمانے سے لیا لیکن اپنے اعلیٰ تخلیقی ذہنی سے اس میں وسعت پیدا کی۔ ان کا تصوف روایتی یا رسمی نہیں۔ انہوں نے تصوف کے بعض تصورات کو رد کیا اور بعض کو اپنا کر انہیں اپنی فکر و نظر سے ہم آہنگ کر لیا۔ چنانچہ ان دونوں میں سے کسی کی شاعری بھی تصوف کی رسمیات کی پابند نہیں۔ کہیں وہ اس سے متحد ہو جاتی ہے اور کہیں منحرف چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاں تصوف کے اثرات کی نوعیت نہ روایتی ہے نہ رسمی بلکہ "تہذیبی اور تخلیقی ہے۔" [7]

نیاز فتح پوری کے بقول:

"غالب نے بہت سے نکات تصوف کا ذکر مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کا سبب ایک تو یہ تھا کہ غالب نے بیدل کا غائبانہ مطالعہ کیا تھا اور کلام بیدل کی اس خصوصیت نے کہ کوئی

---

[3] دیوان غالب، صفحہ 109

[4] غالب کے خطوط، جلد دوم، مرتبہ خلیق انجم، صفحہ 495

[5] فلسفہ کلام غالب' ڈاکٹر شوکت سبزواری' ص

[6] غزل اور مطالعہ غزل، صفحہ 69

[7] اردو غزل اور ہندستانی ذہن و تہذیب' گوپی چند نارنگ' ص 149

اسے سمجھے یا نہ سمجھے اس کا اثر ضرور قبول کر لیتا ہے غالب کو بھی کافی متاثر کیا تھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ غالب کے زمانہ میں تصوف نام تھا صرف چند مخصوص الٰہیاتی نظریوں کا جن میں "وحدت الوجود" کو خاص فلسفیانہ اہمیت حاصل تھی۔ اس لیے غالب کو اس سے دلچسپی پیدا ہوگئی کیونکہ وہ طبعاً فلسفیانہ دل و دماغ لے کر آیا تھا اور اس طرح اس کا ذوق وقت آفرینی اور دشوار نگاہی بھی پورا ہو جاتا تھا۔" [1]

یہاں ہم غالب کے صوفیانہ فکر و کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں:

غالب کا تصور عشق حقیقی و مجازی

کلام غالب میں جس قسم کا عشق ملتا ہے وہ عشق کا وسیع تر تصور ہے۔ عشق حقیقی اور عشق مجازی میں غالب کے نزدیک کوئی امتیاز نہ تھا۔ وہ صوفی اسے گردانتے ہیں کہ جو کائنات کی ہر چیز میں جلوہ ربانی کا نظارہ کرے۔

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی [2]

ایسے اشعار کی غالب کے ہاں کمی نہیں۔ اسی شعر پر غور کرنا دور اس نتائج تک پہنچا سکتا ہے۔ [3]

گوپی چند نارنگ کے بقول:

"عشق کا بنیادی جذبہ میر کی طرح غالب کے ہاں بھی مجازی ہے مگر ان دونوں کے ہاں عشق و محبت کے انسانی جذبات کی سطحیں ان کی الگ الگ شخصیت اور تخلیقی وجدان سے باہم مختلف ہے۔ غالب کی عشقیہ شاعری میں ایسے لمحے نہ ہونے کے برابر ہیں جہاں دل پر قابو نہ رہے۔ ان کی انانیت انہیں ہر وقت لیے دیے رہتی ہے۔ ان کے ہاں عشق ایک فطری تقاضا ہے جس کی تسکین ضروری ہے۔ اس میں جذباتیت سے زیادہ عقلیت ہے اور روحانیت سے زیادہ مادیت۔" [4]

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقت سفر یاد آیا

غالب کا نظریہ وحدت الوجود

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

1. مضمون: غالب...... ولی بادہ خوار' نیاز فتح پوری' ص 96' سالنامہ نگار' جنوری 1961ء
2. دیوان غالب، صفحہ 243
3. مضمون: غالب اور تصوف' یوسف جمال انصاری' ص 581' نقوش: غالب نمبر' شمارہ نمبر 111'
4. اردو غزل اور ہندستانی ذہن و تہذیب' گوپی چند نارنگ' ص 150' 151

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

کہاجاتا ہے کہ غالب نے اس شعر میں ''وحدت وجود'' کا صوفیانہ عقیدہ پیش کیا ہے لیکن نہایت پامال و پیش پاافتادہ انداز سے جس میں عدم اور خدا دونوں کو ایک ہی سطح پر جمع کر دیا گیا ہے۔ [5]

کائنات کی بے ثباتی

بعض حکمائے یونان کا خیال ہے کہ عالم حادث (فنا پذیر) ہے غالب بھی اس سے متاثر ہیں مگر دیکھئے کس خوبصورتی کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔ [6]

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرنیش کے تمام
مہر گردوں ہے چراغ رہگذار بادیاں

یعنی ساری کائنات فنا پذیر ہے یہاں تک کہ سورج بھی اس چراغ کی مانند ہے کہ جس کو اس راستہ پر رکھ دیا جائے جہاں سے ہوا گزرتی ہو اور اس کو ایک ہی جھونکے سے بجھا دے۔

دنیا میں لوگ خوب دل لگا کر رہتے ہیں مگر اس کی بساط کچھ نہیں۔ محض خیال ہے۔ اس کو کس بلاغت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ہستی کے مت فریب میں جائیو اسد
عالم تمام حلقہ دام و خیال ہے
ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ''ہے'' نہیں

تصوف کے مختلف مسائل اور غالب

تصوف کے مختلف مسائل پر غالب کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

تخلیق وابداع:

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

اخلاق:

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

---

5. غالب......ولی بادہ خوار' نیاز فتح پوری' ص 98' سالنامہ نگار' جنوری 1961ء
6. غالب اور تصوف' سید محمد مصطفیٰ صابری' ص 20' ورالاشاعت اسلامیہ' کلکتہ' اشاعت 1977ء

خیر و شر:

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینہ باد بہاری کا

تقدیر:

توفیق بہ اندازہ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

خلوص:

طاعت میں تا رہے نہ مئے انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

ظاہر و باطن:

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

تنزیہہ و تشبیہ:

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

مختصراً تنقیدی جائزہ

غالب کوئی باقاعدہ صوفی شاعر نہ تھے اور نہ اُن کو تصوف سے دلچسپی تھی لیکن پھر بھی ان کی شاعری میں بعض مقامات پر تصوف کے عناصر ملتے ہیں جس کی بنیادی وجہ فارسی شاعری میں تصوف کی روایت کی موجودگی ہے اس کے علاوہ اس دور کے حالات بھی تصوف کے لیے خاص طور پر سازگار تھے۔ طبیعتیں بھی غم والم اور فرار کی طرف مائل تھیں۔ لیکن غالب نے تصوف کو محض رسمی طور پر ہی قبول کیا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ غالب کے اکثر و بیشتر اشعار میں روحانیت جلوہ گر ہے مگر اس کا مقصود ایک روحانی آسودگی ہے۔ غزل کے ایمائی انداز کے سبب یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے کہ طبعی تمناؤں کی سرحد کہاں پر ختم ہوتی ہے اور مابعد طبعی آرزوؤں کی سرحد کہاں سے شروع۔ حائب کی کوئی اہم غزل لے لی جائے اول تو اس میں عاشقانہ و صوفیانہ اشعار ملے جالے ہوں گے۔ دوسرے ایک ہی شعر میں عشق و تصوف دونوں کی کیفیات کا سراغ لگایا جاسکتا ہے اور کسی ایک مفہوم کی تعین قطعیت کے ساتھ نہیں کی جاسکتی۔ [1] اس سلسلے میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

[1] اردو شاعری میں تصوف اور روحانی اقدار' ڈاکٹر رضا حیدر' ص 218' 219' غالب انسٹی ٹیوٹ' دہلی' اشاعت 2007ء

آہ کو چاہیے ایک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک ❷

✦✻✦✻✦